www.KitaboSunnat.com

ساجد علی سبحانی

نحوی قواعد کا قرآن سے انحراف اور اس کے اَسباب

دنیائے علم و اَدب میں عربی گرائمر ایک ایسی منفرد گرائمر ہے جس کے مصادر ومنابع کے طور پر سرفہرست قرآن کریم جیسی عظیم آسمانی کتب کا نام لیا جاتا ہے۔[السيوطي ، عبد الرحمن بن أبي بكر: الاقتراح في علم أصول النحو ، تحقيق وتعليق أحمد محمد القاسم:۴۸]

جو خالق کائنات کی جانب سے بنی نوع اِنسان کے واسطے ایک اَبدی پیغام ہدایت ہونے کے ساتھ فصاحت وبلاغت زبان سے لبریز ایک ایسا زندہ معجزہ ہے کہ عربی زبان کے نابغہ روزگار اُدباء کو بھی اس کے بے مثل اور خدا کا کلام ہونے کا اعتراف کرنا پڑا یہاں تک کہ جب لبید بن ربیعہ (جن کا شمار معلقات سبعہ کے شعراء میں ہوتا ہے) سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شعر سنانے کے لیے کہا تو انہوں نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی اور کہا کہ اللہ تعالی کی جانب سے سورۃ بقرۃ اور سورۃ آل عمران نازل ہونے کے بعد مجھے شعر کہنا پسند نہیں رہا۔

[ابن قتيبه ، عبد الله بن مسلم: الشعر والشعراء:۱۴۹]

یہ ٹھیک ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں عربی گرائمر کے قواعد ومدوّن نہیں کئے گئے تھے اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی، کیونکہ اہل زبان کو قواعد جاننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر یہ تو یقینی ہے کہ عربوں کا کلام عربی زبان کے طبعی قواعد کے مطابق ہوتا تھا لہٰذا ان کا فصاحت وبلاغتِ قرآن کا اعتراف اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ ان کی نگاہ میں کلام الٰہی کا کوئی حصہ قواعد عربیہ کے خلاف نہ تھا ورنہ وہ اس اعتبار سے اسے ضرور تنقید کا نشانہ بناتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عرب قرآن کریم کو زبان کی صحت وسقم کے لحاظ سے Authority سمجھتے تھے اسی وجہ سے نحاۃ Grammarians نے بھی قواعد عربیہ کی تاسیس میں قرآن کریم اور اس کی قراءات کو بہت اَہمیت دی ہے اور مختلف مقامات پر ان سے اِستدلال کیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کو اس قدر اَہمیت دینے کے باوجود کچھ ایسے عربی قواعد بھی تدوین کئے گئے ہیں جن میں قرآن کریم اور اس کی قراءات سے اِنحراف Deviation پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نحوی قاعدے کے مطابق جب فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو صیغۂ فعل کو مفرد لانا ضروری ہے چاہے فاعل مفرد ہو یا تثنیہ وجمع۔[السيوطي ، همع الهوامع:۱۴۰۵ھ، ۱/۱۲۰]

لہٰذا قام الزيدون کہنا صحیح ہے اور قاموا الزيدون کہنا غلط ہے یعنی فعل کے ساتھ علامت جمع (واو) کا الحاق صحیح نہیں ہے۔ جبکہ قرآنی اسلوب کے مطابق یہ الحاق صحیح ہے جیسا کہ آیت کریمہ:

﴿وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [سورۃ الانبیاء:۳]

میں فعل (أسروا) کے ساتھ واؤ ملحق ہے حالانکہ اس کا فاعل اسم ظاہر (الذين) ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اَسباب ہیں جن کی وجہ سے بعض نحوی قواعد میں قرآن کریم سے اِنحراف کا مسئلہ پیش آتا ہے؟ قرآن کریم اور عربی گرائمر کا مطالعہ اس مسئلے کے درج ذیل چار اَسباب کی نشاندہی کرتا ہے۔

① نحوی تعصب

عربی گرائمر کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں مختلف مکاتب فکر Schools of thought پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں بصری، کوفی، بغدادی، اُندلسی اور مصری مکاتب فکر کو شہرت حاصل ہے۔ ہر مکتب فکر مخصوص طرز تفکر کا حامل ہے۔ ان میں سب سے پہلے بصری مکتب معرض وجود میں آیا اور عربی گرائمر کی تدوین کا سہرا اپنے سر لیا۔ اس کے تقریباً ایک صدی بعد کوفی مکتب فکر سامنے آیا۔ [نشأة النحو وتاريخ أشهر النحاة:۴، ۱۹۵۴م:۲۶]

بصرہ اور کوفہ عراق کے دو اَہم شہر شمار ہوتے ہیں۔ یہ دو شہر شروع ہی سے تعصب کا شکار رہے۔ خاندانی اور مدنی تعصب تو زمانۂ تاسیس سے موجود تھا۔ [فتوح البلدان:۱، ۴۱۲۰، ۱۶۷، ۱۶۸، ۲۰۹، ۲۱۰]

جبکہ جنگ جمل نے مذہبی تعصب میں بھی اِضافہ کر دیا۔ دیگر شعبہ ہائے حیات کے ساتھ علوم وفنون بھی تعصب کی زد میں آ گئے۔ چنانچہ قرآنی قراءت، شاعری اور عربی گرائمر بھی اس سے متاثر ہوئی۔

[تاريخ العرب قبل الإسلام:۲۱۳، ۲۳۰]

مختلف نحوی قواعد میں بصری اور کوفی نحاۃ کے درمیان اختلاف کا اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔ ابن الانباری نے اپنی کتاب میں ایک سو اکیس (۱۲۱) اَیسے نحوی قواعد جمع کیے ہیں جن میں ان کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں۔

[الإنصاف في مسائل الخلاف، أدب الحوزة،:۸۳۸، ۸۵۶]

اس کے علاوہ ان کے مناظرے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کی مجالس بھی اس تعصب کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اسی طرح ملاحظہ کیجئے کہ کسائی کے بعد کوفی مکتب فکر کے بڑے علمدار ابوزکریا فراء، بصری نحو کے امام سیبویہ کے خلاف کتنا تعصب رکھتے تھے۔ اَرباب تاریخ نے لکھا ہے کہ مرتے وقت ان کے سرہانے کے نیچے سیبویہ کی نحوی تصنیف 'الکتاب' رکھی ہوئی تھی۔ اور زندگی میں بھی ہمیشہ ان کے پاس رہتی تھی، کیونکہ وہ ان کی نحوی غلطیاں تلاش کرنے میں اس حد تک سرگرم رہتے تھے کہ ہر نحوی قاعدے میں ان کی مخالفت کو 'کارِ ثواب' سمجھتے تھے۔

[مراتب النحويين:۱۳۹]

یہ حقیقت ہے کہ بصری اور کوفی نحاۃ کے درمیان اختلاف کے کئی اسباب ہیں البتہ مکتبی تعصب کا اِنکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس نحوی تعصب کی وجہ سے عربی گرائمر میں ایسے قواعد شامل ہوئے جن میں قرآن کریم اور اس کی قراءت سے عدول پایا جاتا ہے۔ [النحو القرآني، مطابع أبو الفتح:۲۷]

اور جب نحاۃ نے ملاحظہ کیا کہ ان کے وضع کردہ بعض نحوی قواعد اور قرآن کریم میں تضاد پایا جاتا ہے تو ان میں سے بعض نحاۃ قواعد کی مرکزیت کے قائل ہوئے اور مخالف آیات وقراءات کی یا تو تاویل کی اور یا انہیں کسی نہ کسی طرح تنقید کا نشانہ بنایا۔ [البحث اللغوی عند العرب:۳۰]

اور اس روش سے کوئی نحوی مکتب فکر مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد بصری نحاۃ نے رکھی ہے۔ اور پھر ان کی پیروی دیگر ماہرین نحو ولغت اور اَرباب تفسیر وقراءات نے کی ہے۔ [دراسات لأسلوب القرآن الكريم:۱۹/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعصب کی یہ حالت تقریباً ایک صدی تک برقرار رہی یہاں تک کہ دونوں فریق بغداد میں جمع ہوئے اور عربی گرائمر میں ایک تیسیر مکتب فکر 'بغدادی' منظر عام پر آیا۔ جس کے نتیجے میں بصری اور کوفی نحاۃ کے درمیان تعصب میں قدرے کمی واقع ہوئی۔

② عربی گرائمر کے مصادر میں بنیادی اِختلاف

عربی گرائمر کو دوسری زبانوں کی گرائمر سے ایک امتیاز اس لحاظ سے حاصل ہے کہ اس کے مصادر یعنی قرآن کریم، حدیث شریف، شاعری اور نثر میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ شاعری شاعر کے وجدان اور باطن کی ترجمانی کرتی ہے اس کا اُسلوب جذبات واِحساسات پر قائم ہوتا ہے تخیل (Imagination) اس کی شناخت ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ شاعری فکر وسوچ سے بالکل خالی ہوتی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر شاعر اپنے افکار کو شاعری کے قالب میں ڈھالنا چاہے تو بھی شاعری خصوصیات اس پر غالب ہوتی ہیں۔ چنانچہ جذبات سے امتزاج، شعور اور ذاتی تجربات اس کے افکار پر چھائے رہتے ہیں۔

شاعری کی لینگوئج وزن اور قافیہ کی پابند ہوتی ہے جس سے اس میں شعری موسیقی (Poetic Music) بھی شامل ہوتی ہے۔ لیکن نثر (Prose) شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ صحیح فکر وسوچ، آزاد کلام، الفاظ وجملات کی خاص ترکیب، مناسب طریقے سے اِبتداء اور خاتمہ نثر کی خصوصیات میں سے شمار ہوتے ہیں۔ یہ خصوصیات ایک ادیب کی پہچان ہیں اور انہی سے کسی کے ادبی مقام کا تعین کیا جاتا ہے۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو اسکی Language عربی شاعری اور نثر سے یکسر مختلف ہے۔ نہ تو وہ شاعری کی طرح وزن قافیہ کی پابند ہے اور نہ نثر کی طرح بالکل آزاد کلام بلکہ وہ ایک ایسا یگانہ روزگار کلام ہے جو نہ شعر ہے اور نہ نثر۔ وہ بیک وقت کلام عرب کے تمام اَسالیب حسنہ کی جامع ہے۔ قرآن کریم شاعری اور نثر سے بالکل مختلف ہے وہ آیات کا ایسا مجموعہ ہے جس کی ہر آیت کی انتہاء ایسے مقطع پر ہوتی ہے جس کے بارے میں ذوق سلیم گواہی دیتا ہے کہ وہی کلام کا نکتۂ اختتام ہے۔ [ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، المقدمة:۲/۲۷]

نتیجہ کلام یہ کہ جس طرح شاعری اور نثر میں مذکور اختلاف کو مدنظر رکھ کر قواعد عربیہ کی تأسیس کے مرحلے میں ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

[A. Shapitlar: Arabic in Linquistica Scmetica present c. Futuro ,Roma. 1961. Vol:2 ,p.126]

اسی طرح اس مقام پر ان دونوں اور قرآن کریم میں بھی فرق کرنا لازم ہے لہٰذا جو قواعد شعر اور عام نثر کی بنیاد پر بنائے گئے ہوں ان کو قرآن کریم پر لاگو کرنا صحیح نہیں ہے۔ ان میں بھی فرق کرنا لازم ہے کیونکہ قرآن کریم عربی زبان کا صرف اَدبی شاہکار نہیں بلکہ ایسا معجزانہ کلام ہے جو عربی شاعر اور نثر کے اسالیب واغراض میں بھی تبدیلی کا باعث بنا۔ اور اسی نے عربی زبان کو ایک living language کے طور پر باقی رکھا ہے۔ [الفصحی لغة القرآن:۳۳،۳۵]

نحاۃ نے شعر اور نثر سے قرآن کریم کے اس فرق کو مدِنظر نہیں رکھا اور ایسے قواعد بنا ڈالے جن میں قرآن کریم سے عدول وانحراف پایا جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ شاعری کو قرآن کریم پر مقدم کرنا

ہر زبان کا اَدب دو حصوں شاعری اور نثر پر مشتمل ہوتا ہے اور شاعری ہر زبان کے ادب میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ قرآن کریم جو معجزۂ الٰہیہ ہونے کے ساتھ عربی ادب کا بے مثل شاہکار بھی ہے اس کے فہم میں بھی عربی زبان کے شعری ادب کی اہمیت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیات کریمہ کی تفسیر میں دورِ جاہلیت سے بھی مدد لیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآنی آیات کے معانی وتفسیر پوچھی جاتی تو وہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری سے اِستشہاد کرتے ہوئے تفسیر کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ان سے پوچھے گئے وہ دوسو پچاس (۲۵۰) سوالات نقل کئے ہیں جن میں نافع بن اَزرق نے ان سے متعدد آیات کریمہ کے معانی کے بارے میں استفسار کیا اور انہوں نے جاہلی شعراء کی شاعری کی روشنی میں جوابات دیئے۔

[الإتقان في علوم القرآن:۳۰۱، ۳۳۷]

قرآن فہمی میں عربی شاعری کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تم مجھ سے قرآن کے غریب الفاظ (غیر واضح) کی تفسیر پوچھنا چاہو تو اسے شعر میں تلاش کرو، کیونکہ شاعری عرب کا دیوان ہے۔''

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قرآن فہمی میں عربی شاعری کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! تم پر زمانہ جاہلیت کی شاعری کی طرف رجوع لازم ہے کیونکہ اس میں تمہاری کتاب (قرآن) اور تمہارے کلام کے معانی کی تفسیر ہے۔'' [نفس المرجع]

تابعین اور تبع تابعین کا بھی قرآن فہمی کے سلسلے میں یہی طریقہ رہا اور مفسرین کرام نے بھی اپنی تفاسیر میں اس روش پر چلتے ہوئے بہت سی آیات کریمہ کی وضاحت میں عربی شاعری سے مدد لی۔ اسی اہمیت کے پیش نظر نحاۃ نے بھی قواعد کی تأسیس میں عرب شعراء کے کلام سے بہت زیادہ اِستدلال کیا ہے بلکہ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض اَسباب کی وجہ سے شاعری کو قرآن کریم پر مقدم گردانا ہے۔ چنانچہ امام النحو سیبویہ کی 'الکتاب' کو ملاحظہ کیجیے اس میں ذکر شدہ آیات کریمہ کی تعداد تقریباً تین سوتہتر (۳۷۳) ہے۔ جبکہ اشعار کی تعداد تقریباً ایک ہزار ساٹھ (۱۰۶۰) ہے۔

[سیبویه، عمرو بن عثمان بن قنبر، الکتاب، تعلیق وتحقیق، أمیل بدیع یعقوب:۵، ۲۶، ۳۰، ۷۳]

صرف یہ نہیں بلکہ قواعد میں لفظ 'شاہد' کا استعمال نحاۃ کے ہاں شعر سے مختص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'شواہد' کی کتب میں صرف اشعار کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر ادبی اَقسام کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

شاعری کو باقی ادبی اقسام پر مقدم کرنے میں کوفی نحاۃ کا طریقہ کار اس حد تک مبالغہ آمیز رہا کہ اگر وہ نحوی اصول کے خلاف شعر کا ایک بیت بھی سنتے تو اسی کو اصل قرار دیتے اور اسی کے مطابق قاعدہ بناتے۔ [نشاة النحو: ۸۴]

نحوی قواعد میں شاعری کو نثر پر مقدم کرنے کے اَسباب

شاعری کو نثر پر مقدم کرنے کے کئی اَسباب ہیں:

① اس کی تدوین بہت پہلے 'معلقات سبعہ' کی شکل میں ہوئی ہے۔

② شاعری عربوں کی خالص فطری زبان کی ترجمان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ اس میں 'ضرورت' کا باب کھلا ہے اور وزن و قافیہ کی خاطر از باب ضرورت قواعد کی مخالفت کو جائز سمجھتا جاتا ہے۔

④ فطری طور پر عربوں کو شاعری سے بہت لگاؤ ہے اس لیے کہا گیا ہے 'الشعر ديوان العرب' شاعری عرب کا دیوان ہے، ان کے کارناموں کی کتاب ہے۔ چنانچہ شاعری ان کی ثقافت کی ترجمان ہے۔ ان کے عقائد، افکار و خیالات اور رہن سہن کے طور طریقے اسی سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

⑤ نحاۃ ایک مسلمان کی طرح قرآن کریم اور حدیث شریف کا غیر معمولی احترام کرتے ہیں جیسا کہ اصمعی زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے قرآن وحدیث میں سے جواب نہیں دیتے تھے اور اگر لغت کا کوئی لفظ قرآن کریم میں ہوتا تو اس کی لغوی تفسیر کرنے سے گریز کرتے تھے۔ [مراتب النحويين: ۸۳]

⑥ شعر میں وزن اور قافیہ ہونے کی وجہ سے اِعراب کی تمام صورتیں ممکن ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا اَسباب دنیائے ادب میں شعر کی اہمیت کو تو ضرور اجاگر کرتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ قواعد کی تأسیس میں شاعری کو اولیت اور قرآن کریم کو ثانوی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ قرآن سے بڑھ کر عربی زبان میں کوئی باوثوق نص Reliable text نہیں ہے۔

④ قرآنی فواصل کی رعایت نہ کرنا

قرآن کریم کی اِنفرادیت کا ایک سبب اس کے فواصل ہیں۔ قرآنی فواصل آیات کریمہ کے اواخر کو کہا جاتا ہے یہ شعر میں قافیہ اور نثر میں مقاطع کی طرح آیات کریمہ میں تناسب وزن اور حسن پیدا کرتے ہیں۔ ان کے بغیر قرآن کے معانی کا سمجھنا اور اس سے شرعی دلیلوں کا استنباط ممکن نہیں ہے۔ [الإتقان في علوم القرآن: ۲۱۱]

اَدبی اعتبار سے قرآنی فواصل بعض مقامات پر نحوی قواعد کی مخالفت کا سبب بنتے ہیں لیکن یہ چونکہ قرآن کا ایک خاص اسلوب شمار ہوتا ہے اس لیے اس کی وجہ سے وہ فصاحت وبلاغت کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا۔ ان کے مقامات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

① حذف وبقاء

قرآنی فواصل کی خاطر جہاں کسی حرف کو حذف کرنا چاہیے تھا لیکن اسے باقی رکھا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

① فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَٰفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ﴾ [طٰہٰ: ۷۷]

قراءت کے ماہرین کی اکثریت نے 'لَا تَخَافُ' کو حالت رفع کے ساتھ اس بنا پر پڑھا ہے کہ وہ جملہ خبریہ بن کر یا تو 'اضرب' میں فاعل کی ضمیر کے لئے حال ہے اور یا جملہ ابتدائیہ ہے۔ [الكتاب: ۱۱۳/۳]

پھر 'وَلَا تَخْشَىٰ' کو بھی حالت رفعی میں الف کے ساتھ قراءت کر کے اسے 'لَّا تَخَافُ' پر عطف کیا ہے۔ جبکہ قراء اعمش، حمزہ اور ہارون ابن ابی لیلیٰ نے 'لَّا تَخَفْ' کو جزمی حالت کے ساتھ الف کو حذف کر کے اس بنا پر پڑھا ہے کہ وہ یا تو امر 'اضرب' کے جواب میں ہے، اور جب فعل مضارع اَمر کے جواب میں واقع ہو تو وہ مجزوم ہوتا ہے، یا وہ نہی کا صیغہ ہے۔ پھر اس پر 'وَلَا تَخْشَىٰ' پڑھنا چاہیے کیونکہ حالت جزمی میں فعل ناقص سے الف کو حذف کیا جاتا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔لیکن سورۃ کی اکثر آیات کا فاصلہ چونکہ الف ہے اس لیے 'وَّلَا تَخْشٰی' میں بھی الف کو حذف نہیں کیا گیا۔
[مجمع البیان :۳۶/۷]

② اسی طرح آیت کریمہ ﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىO ﴾ [الأعلی:۶]
میں 'فَلَا تَنْسٰی' میں بھی فواصل کے سبب الف کو باقی رکھا گیا ہے حالانکہ ایک قول کے مطابق اس پر لائے نہی داخل ہے جس کی وجہ سے جزمی حالت میں الف نہیں لاتے ہیں۔[البحر المحیط:۲۴۵/۸]

③ آیت کریمہ ﴿ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِO ﴾ [الفجر:۴] میں اکثر قراء نے 'یَسْرِ' کو وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر یا کے پڑھا ہے۔ [الکتاب :۲۹۷/۴] حالانکہ اس پر حروف جازمہ 'لم ، لما ، لام امر ، لائے نھی ، إن شرطیہ' میں سے کوئی جازم داخل نہیں ہے۔لہٰذا قاعدے کے مطابق 'یسری' ہونا چاہیے لیکن فواصل آیات کی وجہ سے بغیر یاء کے پڑھا گیا ہے۔

④ قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم منقوص پر 'ال تعریف' داخل ہو تو اس سے یاء کو حذف نہیں کیا جاتا۔جیسے 'القاضی' لیکن قرآنی اسلوب کے مطابق یاء کو باقی رکھنا جائز ہے جیسا کہ آیت کریمہ
﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهٰدَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِO ﴾ [الرعد:۹]
میں المتعال سے یاء کو فواصل کی خاطر حذف کیا گیا ہے۔[المرجع السابق:۲۹۸]
حالانکہ قاعدے کے مطابق المتعالی ہونا چاہیے تھا۔اسی طرح آیت کریمہ
﴿وَيٰقَوْمِ إِنِّيْٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِO ﴾ [غافر:۳۲]
میں کلمہ 'التناد' سے یا فاصلہ کی خاطر حذف ہے۔[المرجع السابق]

⑤ قاعدے کے مطابق کلام میں جو معنی مقصود ہے اس کے لیے لفظ کو ذکر کیا جائے اور اسے حذف نہ کیا جائے اور حذف کرنے کے ،نحوی علماء نے ، خاص موارد بیان کیے ہیں لیکن قرآن کریم میں صرف فواصل کی خاطر مفعول بہ کو حذف کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر آیۃ کریمہ
﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰىO ﴾ [اللیل:۵]
یعنی 'أعطی مما أتاها الله واتقاه' [البحر المحیط:۶۸۰/۸] اس میں فعل 'اتقی' کا مفعول فواصل 'الشتی' ، 'الحسنی' اور 'للیسری' کی خاطر نہیں لایا گیا ہے۔
اسی طرح آیت کریمہ
﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىO ﴾ [الضحیٰ:۳]
یعنی 'وما قلاك منذ اصطفاك' [مجمع البیان:۷۰۵/۱۰]
اس میں بھی مفعول 'ك' کو فواصل 'سجٰی' ، 'الأولی' ، 'فترضی' کی خاطر نہیں لایا گیا۔

② تقدیم وتاخیر

① گرائمر کے مطابق معمول اپنے عامل کے بعد لایا جاتا ہے۔جیسے مفعول کو فعل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔اور اگر اس کے برعکس کیا جاتا ہے تو اس کے کچھ عوامل ہوتے ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی قرآن کریم میں فواصل کی خاطر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفعول کو فعل سے پہلے لایا گیا ہے مثلاً آیت کریمہ

﴿ أَهَٰؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴾ [سباء:۴۰]

میں 'إِيَّاكُمْ' کو اپنے عامل 'يَعْبُدُونَ' پر مقدم کیا گیا ہے، کیونکہ 'يَعْبُدُونَ' کا فاصلہ ہے۔

[البحر المحیط:۷/۳۷۹]

② اصل یہ ہے کہ مفعول کو فاعل کے بعد لایا جائے لیکن آیت کریمہ

﴿ وَلَقَدْ جَآءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴾ [القمر:۴۱]

میں مفعول 'آلَ فِرْعَوْنَ' کو فاعل 'النُّذُرُ' کے بعد لایا گیا ہے، کیونکہ 'النُّذُرُ' فاصلہ ہے۔

③ قاعدہ یہ ہے کہ 'کان' کی خبر کو اس کے اسم کے بعد ذکر کیا جائے لیکن آیت کریمہ

﴿ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ [الاخلاص:۴]

میں اس کے برعکس لایا گیا ہے کیونکہ 'أحدٌ' فاصلہ ہے۔

④ جس لفظ کا معنی وجود خارجی میں زماناً متاخر ہے اسے قاعدے کے مطابق اس لفظ کے بعد لانا چاہیے جس کا معنی متقدم ہے مگر آیت کریمہ

﴿ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴾ [النجم:۲۵]

میں کلمہ 'الأولی' کو 'الآخرة' سے پہلے لایا گیا ہے حالانکہ 'أولی' سے مقصود دنیوی زندگی ہے جسے مذکورہ قاعدہ کے مطابق 'الأخرة' سے پہلے آنا چاہیے مگر اس ترتیب کی رعایت فاصلہ کی خاطر نہیں کی گئی۔

[البحر المحیط:۸/۲۳۲]

اس طرح اللہ تعالی سے استعانت (مدد طلب کرنا) پہلے اور عبادت اس کے بعد معرض وجود میں آتی ہے مگر آیت کریمہ: ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ [الفاتحۃ:۵]

میں عبادت کو پہلے اور استعانت کو اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ 'نَسْتَعِينُ' قرآنی فاصلہ ہے۔

⑤ قاعدے کے مطابق ضمیر غائب اپنے مرجع کے بعد آتی ہے مگر آیت کریمہ

﴿ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴾ [طہ:۶۷]

میں کلمہ 'مُّوسَىٰ' فعل 'فَأَوْجَسَ' کے لئے فاعل ہے اور 'فِي نَفْسِهِ' ضمیر غائب 'موسیٰ' کی طرف پلٹتی ہے لیکن اسے فاصلے کی خاطر ضمیر کے بعد لایا گیا۔

⑥ جار ومجرور کو فعل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے جبکہ آیت کریمہ

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴾ [البقرۃ:۳]

میں 'مما' جار ومجرور کو فعل 'ینفقون' سے پہلے لایا گیا، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔

⑦ صفت وموصوف کے باب میں مفرد صفت کو جملہ پر مقدم کیا جاتا ہے لیکن قرآن کریم میں جملہ وصفیہ کو مفرد صفت پر مقدم لایا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ﴾ [الاسراء:۱۳]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں 'یلقٰہ' کو پہلے اور 'منشورا' اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔

③ اِنصراف

جس طرح ضرورت شعری کی خاطر غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے اسی طرح فاصلہ قرآنی کی خاطر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ

﴿ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا۝ ﴾ [الدہر:۱۵،۱۶]

میں 'قوارير، قوارير' نافع، ابوبکر، کسائی نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ حالانکہ پہلا 'قوارير' جمع المنتهى المجموع کا صیغہ ہے اور وہ غیر منصرف ہے جس پر تنوین نہیں آسکتی۔ مگر اسے منصرف پڑھا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔ اور رجہاں تک دوسرے 'قوارير' کو منصرف پڑھنے کا تعلق ہے حالانکہ وہ آیت کی اِبتداء میں ہے تو اسے پہلے 'قوارير' سے تناسب کی خاطر منصرف پڑھا گیا ہے۔

④ نیابت

ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ اس کے نائب کے طور پر لانا۔ اس کے درج ذیل موارد ہیں۔

① اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لانا، جیسا کہ آیت کریمہ

﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَأَقَامُوْا الصَّلٰوةَ ؕ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ۝ ﴾ [الاعراف:۱۷۰]

میں 'أجرهم' کے بجائے 'المصلحين' اسم ظاہر لایا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے، جیسا کہ اسی سورۃ میں 'تعقلون'، 'تتقون' اور 'غافلين'، بھی فواصل ہیں۔

② فاعل کی جگہ مفعول کا صیغہ لانا، مثلاً آیت کریمہ ﴿حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۝ ﴾ [الاسراء:۴۵]

میں 'ساترا' کے بجائے 'مستورا' لایا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں 'غفورا، نفورا اور مسحورا' فواصل میں۔

③ مفعول کے بجائے فاعل کا صیغہ ذکر کرنا، جیسا کہ آیت کریمہ

﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۝ ﴾ [الحاقۃ:۲۱]

میں 'مرضية' کے بجائے 'راضية' کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ زندگی راضية نہیں بلکہ مرضية (پسندیدہ) ہوتی ہے۔ مگر وہ فاصلہ واقع ہے جیسا کہ 'عالية'، 'دانية' اور 'خالية' بھی فواصل ہیں۔ [البحر المحيط:۸/۳۵۶]

④ ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ پر لانا، مثلاً آیت کریمہ

﴿ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحٰى لَهَا۝ ﴾ [الزلزال:۵]

میں فعل 'أوحى' اگرچہ مشہور ہے کہ 'إلى' سے متعدد ہوتا ہے مگر اسے (لام) سے متعدی لایا گیا ہے، کیونکہ 'لها' فاصلہ ہے جیسا کہ عجاج بن رؤبۃ نے بھی 'أوحى' کو 'لها' سے متعدی پڑھا ہے۔

أوحى لها الراء فاستقرت وشدها بالراسيات الثبت

[البحر المحيط:۸/۵۰۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑤ عدد

① صیغہ جمع کے بجائے صیغہ مفرد لانا مثلاً آیت کریمہ ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ﴾ [القمر:۵۴]
میں 'أنهار' کے بجائے 'نهر' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔[مجمع البيان:۲۹۵/۱۰]

② صیغہ مفرد کے بجائے صیغہ جمع ذکر کرنا مثلا آیت کریمہ ﴿لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ﴾ [ابراہیم:۳۱]
میں 'لاخل' کے بجائے 'لاخلال' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے جیسا کہ 'البوار'، 'القرار' اور 'الأنهار' بھی فواصل ہیں۔

③ مفرد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ لانا، مثلاً آیت کریمہ
﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ [رحمٰن:۴۶]
میں 'جنة' کے بجائے 'جنتان' فاصلہ ہونے کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے بھی جنة کے بجائے جنتین پڑھا ہے۔

يسعى بكيداء ولهذمين قد جعل الأرطاة جنتين

[معاني القرآن:۲۶/۳]

⑥ جنس (مذکر، مؤنث)

① مذکر کے بجائے مونث لانا مثلا آیت کریمہ
﴿كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ [المدثر:۵۴]
میں قاعدے کے مطابق 'تذکیر یا تذکار' کے بجائے (تذکرة) تاء تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے کیونکہ وہ 'الأخرة'، 'المغفرة' کی طرح فاصلہ ہے۔

② اسم جنس کی صفت لاتے وقت اس میں تذکیر اور تانیث میں سے ہر ایک کا اعتبار کرنا جائز ہے لیکن فاصلہ قرآنی کی خاطر کبھی اس کی تذکیر کو ترجیح دی جاتی ہے جیسا کہ آیت کریمہ
﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ﴾ [القمر:۲۰]
میں 'منقعر'، 'أعجاز' کے لئے صفت ہے اور 'مستمر'، 'نذر'، 'مدکر' فواصل کی خاطر اسے بھی 'منقعر' بغیر تاء تانیث کے ذکر کیا گیا ہے۔[أبو حيان، البحر المحيط:۲۵۵/۸]
اور بعض مقامات پر فاصلہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے صفت میں صیغہ مؤنث لایا گیا ہے مثال کے طور پر آیت کریمہ ﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقة:۷]
میں 'خاوية'، 'أعجاز' کے لئے صفت ہے اور دوسرے فواصل یعنی 'كاتبه'، 'باقية' کی طرح اسے تاء تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے۔[الزمخشري، جارالله بن محمد بن عمر، المفصل في صنعة الأعراب:۲۶/۳]

⑦ امالہ

امالہ یہ ہے کہ الف کو کسرہ کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے تاکہ اس سے یا کی آواز پیدا ہو اب الف کلمہ کے آخر میں ہو تو فعل ہونے کی صورت میں اس میں مطلقا امالہ جائز ہے جیسے دعا، رضیٰ، اور اگر اسم کے آخر میں ہو تو اگر وہ یا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بدلا ہوا نہ ہو اور تیسری جگہ واقع ہو تو امالہ جائز نہیں اور چوتھی جگہ واقع ہو تو امالہ جائز ہے۔ تو اس قاعدے کے تحت 'الضحیٰ' میں امالہ جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن قرآنی فاصلہ کی خاطر آیت کریمہ

﴿وَالضُّحٰىO﴾ [الضحی:۱]

میں 'والضحی' کے الف کو 'سجیٰ'، 'قلیٰ'، 'أولیٰ' میں الف کی طرح امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

⑧ عدول

فاصلہ قرآنی کی وجہ سے صیغہ ماضی کے بجائے صیغہ مضارع لایا جاتا ہے مثلاً آیت کریمہ

﴿ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَO﴾ [البقرۃ:۸۷]

میں 'قتلتم' کے بجائے 'تقتلون' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ واقع ہے۔[أبو حیان: البحر المحیط:۴۳۵/۱]

⑨ فصل

جن کلمات کے درمیان قاعدے کے مطابق کسی دوسرے لفظ کا فاصلہ ڈالنا صحیح نہیں ہوتا قرآنی فاصلہ کی خاطر وہ جائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل موارد میں ہے۔

① معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فاصلہ ڈالنا مثلاً آیت کریمہ

﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّأَجَلٌ مُّسَمًّىO ﴾ [طٰہٰ:۱۲۹]

میں ظاہرا 'أجل مسمی' کا (کلمہ) پر عطف ہے۔[المرجع السابق:۳۵۷/۶]

اس کے باوجود ان کے درمیان 'سبقت' کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ 'مسمی'، 'نهی'، 'ترضی' اور 'أبقی' کی طرح فاصلہ قرآنی ہے۔

② قاعدے کے مطابق ذوالحال اور حال کے درمیان کسی لفظ کا فاصلہ نہیں ڈالا جاتا لیکن فاصلہ قرآنی اسے جائز قرار دیتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿ وَالَّذِيْ أَخْرَجَ الْمَرْعٰىO فَجَعَلَهٗ غُثَآءً أَحْوٰىO ﴾ [الاعلی:۵]

اس میں 'أحوی'، 'مرعی' کے لئے حال ہے اور ان دونوں کے درمیان 'فجعله غثآء' کا فاصلہ ڈال کر 'أحوی' کو آخر میں لایا گیا ہے، کیونکہ وہ قرآنی فاصلہ ہے۔[المرجع السابق:۶۴۵/۸]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم سے نحوی عدول کے مذکورہ چار اسباب یہ ثابت کرنے کے لئے تو کافی ہیں کہ نحو کے بعض قواعد میں قرآن کریم سے عدول و انحراف پایا جاتا ہے لہٰذا فنی طور پر چونکہ قرآن کریم نحو کا بنیادی مصدر اور زبان کی صحت وسقم پرکھنے کا معیار ہے اس لیے ضروری ہے کہ جو قواعد قرآنی اسلوب کے خلاف ہیں انہیں اس طریقہ سے Modify کیا جائے کہ وہ اصل سے ہم آہنگ ہو جائیں اور جس مقصد کے لئے نحو کی تدوین کی گئی ہے وہ حاصل ہو سکے۔ اور یہ علمی اعتبار سے ہرگز صحیح نہیں ہے کہ ہم اس کے برعکس، معاذ اللہ یہ کہیں کہ قرآن کریم میں نحوی غلطیاں (Grammatical errors) پائی جاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ